اِمامُ العصر علّامہ مُحمّد انور شاہ کشمیریؒ

از حضرت مولٰینا عبد الحلیم چشتی دامت برکاتہم
(فاضلِ دیوبند۔ ایم، اے۔ کراچی پاکستان)

عنوانِ بالا کے تحت مُحدّثِ کشمیری علّامہ انور شاہ رحمہ اللہ کی زندگی اور علمی کارناموں پر ایک مُحقّقانہ اور فاضلانہ تنقیدی مقالہ برصغیر کے مشہور و معروف علمی رسالہ ماہنامہ "معارف" اعظم گڈھ میں سنہ ۱۹۶۷ء کے تین مسلسل شماروں (ستمبر، اکتوبر اور نومبر) میں شایع ہوا ہے۔

مقالہ نہایت طویل ہے لیکن تحقیقی اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ فاضل مقالہ نگار حضرت مولٰینا عبد الحلیم چشتی زید مجدہٗ نے علّامہ کشمیریؒ کی علمی زندگی کے بعض ایسے گوشوں پر روشنی ڈالی ہے جن پر اس سے پہلے کسی نے بحث نہیں کی ہے۔ چنانچہ مقالہ کے آغاز ہی میں خود بھی تحریر فرماتے ہیں:-

"ہم نے اس مختصر مقالہ میں علّامہ انور شاہؒ کے سوانح کے حصّہ سے زیادہ تعرّض نہیں کیا، یہ کام ان کے سعادت مند فرزندوں کے کرنے کا ہے اور انہیں اپنی پہلی فرصت میں موصوف کی ایک جامع سوانح حیات مرتب کرنا چاہیئے۔ اسی طرح ہم نے ان امور سے بھی زیادہ بحث نہیں کی ہے جن سے ان کے تلامذہ نے اعتناء کیا ہے، اس مختصر مقالہ میں ہم نے علّامہ انور شاہ کی علمی زندگی کے بعض ایسے پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے جن پر اس سے پہلے اس نوع پر بحث نہیں ہو سکی ہے۔"

بہرحال جہاں تک مقالہ کا تعلّق ہے، قابلِ مُطالعہ ہے، اہلِ علم ہی اس سے حظ حاصل کر سکتے ہیں۔ مقالہ کے آغاز میں سات آٹھ صفحات پر فاضل مقالہ نگار نے حضرت فخر المحدثین علّامہ انور شاہ کشمیریؒ کی زندگی کے حالات (مثلاً نام، ولادت، سلسلہ و نسب، تعلیم و تربیت، سفرِ حجاز اور واپسی کے بعد مدرسۂ فیضِ عام کا قیام، دار العلوم دیوبند میں تدریس کی ابتداء، ازدواجی زندگی کا آغاز اور غیر معمولی قوتِ حافظہ وغیرہ باتیں) مختصراً تحریر فرمائے ہیں۔ چونکہ زیرِ مطالعہ کتاب کے

ابتدائی صفحات میں ہم نے حضرت امام العصرؒ کے حالاتِ زندگی مفصل طور پر قلمبند کئے ہیں اس لئے مقالے کے اس حصّے کو دُہرانا بارِ طبع ہوگا۔

کوندو

وُسعتِ معلومات و کثرتِ مُطالعہ

تحصیلِ علوم سے فراغت کے بعد آغازِ عمر ہی میں علامہ انور شاہؒ کا دائرۂ معلومات اس قدر وُسعت اختیار کرچکا تھا کہ اس عہد کے نامور عُلماء جن کی وُسعتِ معلومات اور کثرتِ مُطالعہ پر ان کی تالیفات شاہدِ عدل ہیں اپنی تحقیقات علامہ موصوف کے حضور پیش کرتے اور موصوف ان پر بیش بہا علمی فوائد کا اضافہ فرماتے تھے۔ چنانچہ اس عہد کے نامور مُحدّث شوق نیموی نے ۱۳۱۳ھ میں جب آثارُ السُّنن کی کتاب الصّلوٰۃ مکمّل کرلی تو اس زمانہ کے جن اربابِ نظر اور اکابرِ اہلِ علم کو یہ کتاب بھیجی گئی ان میں ایک صغیرُ السِّن مُحدّث علامہ محمّد انور شاہؒ بھی تھے لیکن ہندوستان جیسے وسیع و عریض ملک میں اس پر بیش بہا اضافہ کی سعادت جس کے حصّہ میں آئی وہ صرف علامہ انور شاہ کی ذاتِ ستودہ صفات تھی۔

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات اور اضافۂ معلومات کا دائرہ محدّث نیموی کے مذاق تک محدود رہا ہے۔ موصوف نے متونِ احادیث، اسنادِ رجال اور جرح و تعدیل سے متعلق وہی تحقیقات پیش کی ہیں جو محدّث نیموی کے مذاق کے مُطابق تھیں۔ فقہ حدیث کی بحثیں، حقائق، معارف، اسرارِ بلاغت اور توجیہات حدیث سے بہت ہی کم اعتناء کیا پھر بھی یہ اضافہ اصل سے دوگنا ہوگیا ہے۔[1]

[1] علامہ موصوف کے اس بیش بہا اضافہ کا نام "الاتحاف الاحناف" ہے، مجلسِ علمی ڈابھیل جس کا قیام ہی علامہ انور شاہ کے علوم کی نشر و اشاعت ہے، اس نے شاہ صاحب کے اس نادرۂ روزگار شاہکار کے اصل نسخہ کا محدود تعداد میں فوٹو کرا کر اس کو محفوظ کر لیا ہے۔

اور اسی افادۂ علمی کی وجہ سے موصوف نے نیلُ الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین (ص ۵۶) میں یہ لکھا ہے "کنتُ مرافقاً فیہ" یعنی آثارُ السُّنن کی ترتیب و تدوین میں ان کا رفیقِ کار تھا، چنانچہ محدّث نیموی کے فرزند کا بیان ہے:-

"فوقانی کہتا ہے ناظرین باتمکین معلوم فرمائیں کہ مولینا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تیرہ سو بارہ ہجری میں فارغ التحصیل ہوئے ہیں جیسا کہ ان ہی کی شرح فیض الباری علیٰ صحیح البخاری میں لکھا ہوا ہے اور علامہ نیموی نے آثارُ السُّنن تیرہ سو چھ ہجری سے کچھ قبل ہی لکھنا شروع کیا اور تیرہ سو تیرہ ہجری میں آخر ابواب الصّلوٰۃ تک تمام کر دیا۔ علامہ نیموی کا اوشحۃ الجید، حبلُ المتین، رادُّ السکین، بنیان لتحقیق المعلی وغیرہ تالیف کرنا اور اکا معجم طبرانی وغیرہ کا نشان بتانا کہ فلاں فلاں کتب خانہ میں ہے اور معرفۃ السنن بیہقی میرے کتب خانہ میں ہے یہ سب مولینا انور شاہ کشمیری کی طالب العلمی کے زمانہ میں تھا، جبکہ وہ فارغ التحصیل بھی نہیں ہوئے تھے لہٰذا مولینا انور شاہ نے جو نیلُ الفرقدین" میں یہ لکھا ہے کہ انّی کنتُ مُرافقاً فیہ اس سے مُراد بعد اتمام آثارُ السُّنن قبل الطباعت ہے، مولینا شوق نیموی اپنی تحقیقاتِ عجیبہ و فوائدِ غریبہ نادرۂ جدیدہ دکھانے اور معلوم کرانے کے لئے تسویدات آثارُ السُّنن قبل الطباعت بذریعہ ڈاک بھیجتے ہونگے جس طرح کہ اور بعض عُلماء کے پاس آثارُ السُّنن کو بھیجا ہے، مولینا انور شاہ کشمیری کو مولینا نیموی سے مُلاقات نہیں ہوئی تھی، ان کے شاگرد حکیم مولوی محمّد عیسیٰ مرحوم ساکنِ موضع جاجا ضلع پٹنہ نے بندہ سے بیان کیا تھا کہ مولینا انور شاہ مدرسۂ امینیہ دہلی میں کہتے تھے کہ ہم لوگ مولینا شوق نیموی سے جو بہار کے ہیں مُلاقات کریں گے مگر چونکہ ۱۳۲۲ھ میں بروز جمعہ ۱۷ رمضان شریف مولینا نیموی کا وصال ہوگیا، اسی وجہ سے ملاقات

نہ ہو سکی۔ خلاصہ یہ کہ آثارُ السُّنن جس کی آخر کتاب الصلوٰۃ "۱۳۱۲ھ" میں تمام ہوگئی اور مولانا انور شاہ ۱۳۱۲ھ میں کتبِ درسیۂ مُرَوّجہ سے فارغ ہوئے ۱۳۱۲ھ کے بعد شوق نیموی ان کو بھی اپنی تحقیقات کہ جن سے کتبِ محدثین خالی ہیں دکھلانے کے لئے اجزاءِ آثار السُّنن بذریعہ ڈاک بھیجتے ہونگے اور علامہ کشمیری کچھ رائے دیتے ہوں گے واللہ اعلم۔ اس اعتبار سے من نوع موافقت کہی جاسکتی ہے جو کہ بعد اصل تالیف واتمام ہے نہ کہ وقت تالیف، کیونکہ اس وقت تو مولانا انور شاہ محض طالب العلم تھے۔" (القول الحسن فی الرد علی انکار المتن وفی تائید آثار السُّنن۔ از ابن نیموی ج ۱ ص ۱۹)

تبحّرِ علمی

ضبط و اتقان، ذکاوت و ذہانت، فہم و فراست، دقتِ نظر، حدتِ فکر، وسعتِ مطالعہ، کثرتِ معلومات، استحضارِ علوم اور تبحر میں اپنی نظیر آپ ہی تھے، صَرف و نحو، معانی و بیان، شعر و ادب، منطق و فلسفہ لغت، فقہ، اصولِ فقہ، کلام، تصوّف، تاریخ، رجال، طبقات، تفسیر، حدیث اور اصولِ حدیث، غرض ہر فن میں مجتہدانہ بصیرت رکھتے تھے اور عربی و فارسی نظم و نثر پر یکساں قادر تھے، ایسی جامعیت اور ہر فن میں ناقدانہ مہارت کی وجہ سے حکیمُ الاُمّت مولانا اشرف علی تھانوی موصوف کو علوم میں ان کے اساتذہ سے بھی فائق سمجھتے تھے وہ فرماتے تھے:۔

"مولانا انور شاہ صاحب بہت بڑے متبحّر عالِم تھے یہاں تک کہ ہے تو گستاخی لیکن سچی بات کو کیوں چھپاؤں، میرا یہ خیال ہے کہ وہ اپنے اکثر اساتذہ سے بھی علوم میں بڑھ گئے تھے" ۲

---

۱ شاہ صاحب کو اپنے زمانۂ طالب علمی ہی میں ہندوستان کے ایک نامور اور وسیع النظر محدث کے اہم علمی کارنامہ اضافہ کی سعادت اگر حاصل ہوگئی تھی تو یہ شاہ صاحب کی وسعتِ نظر کی اور بھی زیادہ قوی دلیل ہے۔

۲ ملاحظہ ہو الاضافاتُ الیومیہ من الافادات القومیہ (ملفوظات حکیم الاُمّت مولانا اشرف علی تھانوی) اشرف المطابع تھانہ بھون ۱۹۴۱ء ج ۷، ص ۱۱۱

حاشیہ صفحہ آئندہ:۔

۱ ملاحظہ ہو انباء العمر بحوالہ درس الفہارس و معجم المعاجم والمشیخات والمسلسلات از حافظ عبدالحی الکتانی المتوفی [illegible]

حفظِ حدیث

علامہ انور شاہ بلاشبہ حُفّاظِ حدیث میں سے تھے۔ حفظِ حدیث کی حقیقت سمجھنے کے لئے یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ محدثین کی اصطلاح میں "حفظِ حدیث" سے مراد استحضار اور تذکر نہیں ہے یعنی احادیث کا نوکِ زبان پر ہونا، بلکہ معرفت یعنی "ملکۂ فن" مراد ہے اور حقیقت میں یہی معیارِ حفظ ہے اور متاخرین ائمہ فن کے یہاں اسی کا اعتبار ہے، اسی معیار پر متاخرین حُفّاظ میں سے حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ نے اپنے اکابر شیوخ کو جانچا اور پرکھا ہے۔ موصوف انباءُ الغمر فی ابناء العمر میں حافظ زین الدین عبدالرحیم عراقی المتوفی ۸۰۶ھ اور ان کے تلمیذ رشید حافظ نور الدین علی ہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ میں موازنہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

لم نرَ فی هٰذا الفن اتقنَ منه وعلیه تخرج غالب اهل عصره ومن اخصّهم به صهره شیخنا نور الدین الهیثمی وهو الذی درّبه وعلّمه کیفیّة التخریج والتصنیف وهو الذی یعمد له خطب کتبه وینسبها له وصاله الهیثمی لشدّة ممارسته اکثر استحضار المتون من شیخه حتّی یظنّ من لا خبرة له انّه احفظ منه ولیس کذالك لانّ الحفظ المعرفة ۱

ہم نے فنِ حدیث میں حافظ عراقی سے زیادہ متقن و پختہ نہیں دیکھا، اس زمانہ کے اکثر اہلِ علم نے ان ہی سے کسبِ کمال کیا ہے اور ان کے داماد ہمارے شیخ نور الدین ہیثمی ہیں۔ شیخ عراقی ؒ نے انہیں بڑھایا۔ تصنیف اور تخریجِ احادیث کا ڈھنگ بتایا تھا۔ وہ انکی کتابوں پر دیباچے لکھتے اور ان کی نسبت بھی حافظ ہیثمی کی طرف کرتے تھے۔ ہیثمی کو مزاولت اور کثرتِ مشق کی وجہ سے احادیث کے متون اپنے شیخ عراقی سے زیادہ یاد ہوگئے تھے۔ یہاں تک کہ جو حقیقتِ حال کی خبر نہ رکھتا وہ یہ خیال کرتا تھا کہ شیخ ہیثمی حافظ عراقی سے بڑے حافظ تھے حالانکہ

۸۳۳ھ طبع فارس ۱۳۲۴ھ ج ۲ ص ۱۹۷ و ۱۹۸ و شذرات الذہب فی اخبار من ذہب از ابن العماد حنبلی، مکتبۃ القدسی مصر ۱۳۵۱ھ ج ۷، ص ۵۶ و ذیل طبقات الحفاظ للذہبی از حافظ جلال الدین سیوطی طبع دمشق ص ۳۷۲ و البدر الطالع [illegible]

واقع اللسانہ تھا کیونکہ حفظ ملکۂ فن سے عبارت ہے"

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حفظِ حدیث کے لئے حافظہ میں ملکۂ فن کا پایا جانا کافی ہے۔ استحضار و تذکر شرط نہیں ہے چنانچہ شیخ ہیثمی صاحب مجمع الزوائد اور شیخ زین الدین عراقی صاحب الالفیہ کے بارے میں حافظ ابن حجر کا یہ لکھنا کہ ہیثمی فی الفور حدیث کی تخریج کرتے اور بتا دیتے تھے اس بناء پر پڑھے لکھے لوگ ان کو بڑا حافظ سمجھتے تھے حالانکہ نور الدین ہیثمی نے شیخ عراقی ہی سے سب کچھ سیکھا تھا اور شیخ عراقی کو فن کا ملکہ تھا، گو فی الفور حدیثوں کی تخریج سے قاصر تھے۔ یہ بات علامہ انور شاہ کو بھی حاصل تھی اسی لئے ہم نے ان کو حفاظِ حدیث میں شمار کیا ہے۔ ان کو متونِ احادیث پر نہایت غائر نظر تھی اور وہ عِلل و اسانید سے واقف تھے۔ مراتب رجال کا انہیں علم تھا وہ صحیح و سقیم کو سمجھتے تھے اور فنِ جرح و تعدیل کے ماہر تھے۔ راویوں کا تشابہ رفع کرنے میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، اور ان فنون میں ان کو بڑا اتقان اور رسوخ حاصل تھا، ان کے رسائل اور امالی آج بھی اس امر پر شاہدِ عدل ہیں۔

فقہ و خلافیات کا حفظ

علامہ انور شاہ حدیث ہی کے حافظ نہ تھے، بلکہ فقہ اور خلافیات کے بھی حافظ تھے۔ تذکرہ کی کتابوں میں بعض اربابِ کمال فقہاء کے متعلق یہ فقرہ لکھا ہوا ملتا ہے۔ "كَانَ حَافِظًا للفقه و الخلاف" یا "كَانَ حَافِظًا لِلْمَذَاهِب"۔ کہ وہ فقہ اور خلافیات کے حافظ تھے۔ مذاہب ائمہ ان کو یاد تھے۔ یہ بات علامہ انور شاہ کو بھی حاصل تھی، ان کو اصول و کلیات ہی نہیں جزئیات مسائل پر بھی عبور حاصل تھا اور اختلافی مسائل میں ہر ایک امام کا مسلک بھی برزبان تھا، ہر مسئلہ میں ائمہ اور مشائخ کے مختلف اقوال بھی ازبر تھے۔

ائمہ اربعہ کے اختلافات کے منشأ اور مبنیٰ پر بھی ان کی نظر پوری طرح تھی۔ فقہ پر ان کی نظر کیسی غائر تھی اور ائمہ کے اقوال جیسے انہیں کیسے مستحضر تھے، اس کا اندازہ موصوف کے حسبِ ذیل بیان سے کیا جا سکتا ہے:۔

لَيْسَ عِنْدِي فَنٌّ أَصْعَبُ مِنَ الْفِقْهِ حَتّٰى اَنِّي فِي الفنون كُلِّهَا ذو رأي وتجربةٍ، احكم بما أريدُ وانتخبُ مِنْ اقوالِهِمْ مَا أريد، وافترعُ (الفرع) الآراء مِنْ عِنْدِي لا احتاجُ إلى تقليدِ أحَدٍ وَلٰكِنّي فِي الفقه مقلّدٌ بحت ليس رأيٌ سوى الرواية وَلِذا قد يصعُبُ عَلَيَّ الإفتاء فَاِنَّ النَّاسَ لا يكونُ عندهما إلّا قولٌ واحدٌ وَيكونُ عندي فيهِ اقوالٌ عَنِ الامام اوعن المشائخ، والتصحيح قَدْ يَختلفُ وَلَسْتُ مِنْ اَصْحَابِ التَّرْجِيحِ وحينئذٍ افتى بمَا يقربُ بمذاهبِ الائمّة وآثارِ السَّلَفِ وَالسُّنَّةِ [1]	میرے نزدیک فقہ سے مشکل ترین فن کوئی نہیں۔ جملہ فنون میں میری ایک رائے اور تجربہ ہے کہ جس کی وجہ سے میں فیصلہ کرتا ہوں اور ائمہ فن کے اقوال میں سے جس کے قول کو چاہتا ہوں انتخاب کرتا ہوں، میں اپنی طرف سے انکے راویوں پر تفریع کرتا ہوں اور کسی کی تقلید کا محتاج نہیں ہوں۔ لیکن فقہ میں مقلدِ محض ہوں، بجز روایتِ امام کے کوئی رائے نہیں رکھتا، اسی وجہ سے فتویٰ دینے میں مجھے بڑی دشواری پیش آتی ہے کیونکہ لوگوں کے سامنے ایک قول کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور میرے پیشِ نظر امام یا مشائخ کے متعدد قول ہوتے ہیں۔ پھر کبھی تصحیح میں بھی اختلاف ہوتا ہے اور میں اصحابِ ترجیح میں سے نہیں ہوں میں ایسے وقت میں مذاہب ائمہ اور آثارِ سلف اور سنت سے قریب تر جو قول ہوتا ہے اُس پر فتویٰ دیتا ہوں۔

طبقاتِ فقہاء پر نظر

طبقاتِ فقہاء پر بھی اُن کی نظر غیر معمولی وسیع تھی اور اس فن میں بصیرت کا یہ حال تھا کہ کبارِ فقہاء کے متعلق ان کی اپنی خاص آراء تھیں کہ کون کس درجہ

---

[1] ملاحظہ ہو فیض الباری ج ۴ ص ۱۹۷

کا فقیہ ہے، اور نقل میں اس کی کیا حیثیت ہے۔ کون فقیہُ النفس ہے اور کون نہیں؛ چنانچہ امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ کے متعلق فرماتے ہیں:-

"امام طحاوی مذہب امامِ اعظم رحمہ اللہ کے سب سے زیادہ عالم نہیں بلکہ دیگر مذاہبِ ائمہ کے بھی سب سے زیادہ واقف تھے۔ وہ امام شافعیؒ کے بیک واسطہ شاگرد تھے اور امام مالکؒ سے بدو واسطہ تلمذ رکھتے تھے اور امام اعظم ابو حنیفہؒ سے ان کو بسہ واسطہ تلمّذ کا فخر حاصل ہے، کتاب شرح معانی الآثار کے بابُ الحج میں موصوف نے تصریح کی ہے کہ امام احمدؒ سے بھی ان کو بیک واسطہ اجازت حاصل ہے۔ طحاوی مُجتہد و مُجدِّد ہیں جیسا کہ ابن الاثیر جزری نے لکھا ہے کہ وہ مُجدِّد تھے۔

میں کہتا ہوں کہ شرح حدیث ان کا تجدیدی کارنامہ ہے۔ وہ شرح حدیث میں مجمل حدیث کو بتاتے ہیں، حدیث کے غوامض و دقائق بیان کرتے ہیں۔ بحث و تحقیق کرتے ہیں، اعتراضات کے جوابات دیتے ہیں اور وہ اس انوکھے طریقہ کے امام ہیں کیونکہ متقدمین صرف احادیث کو بطورِ سند و متن روایت کرنے پر اکتفا کرتے تھے"۔[1]

اور فیضُ الباری میں ہے کہ مالکیہ نے ان کی تصانیف سے حنفیہ کی بنسبت زیادہ اعتناء کیا ہے"۔[2]

علامہ موصوف ملکُ العلماء ابو بکر بن مسعود کاشانی المتوفی ۵۸۷ھ کی کتاب "البدائع و الصنائع فی ترتیب الشرائع" کی بہت تعریف کرتے تھے اور اس کے متعلق فرماتے تھے:-

---

[1] ملاحظہ ہو العرفُ الشذی علی جامع الترمذی، مکتبۂ رحیمیہ سہارنپور ص ۳۶ و معارف السنن از مولانا محمد یوسف بنوری طبع کراچی ۱۳۸۲ھ ج ۱ ص ۱۴ نیز فیضُ الباری ج ۲ ص ۳۵۱ و جلد ۱ ص ۳۷۳۔

[2] فیضُ الباری ج ۳ ص ۶۹ "

"عراقی فقہاء حنفیہ کی تالیفات میں خراسانی فقہاء حنفیہ کی تصانیف کی بنسبت زیادہ رسوخ و اِتقان پایا جاتا ہے لیکن کتاب البدائع باوجودیکہ اس کا مؤلف ملکُ العلماء ابو بکر کاشانی خراسانی ہے مگر اس کی یہ کتاب اتقان و تثبت میں فقہاء میں سے فقہائے عراق کی مثل ہے بلکہ حُسنِ ترتیب میں ہمارے فقہاءِ حنفیہ رحمہم اللہ کی تمام کتابوں سے فائق ہے، یہ نہایت نادرُ المثال کتاب ہے، اگر کوئی عالم ژرف نگاہی اور دِقّتِ نظر سے اس کا مطالعہ کرے تو وہ فقیہُ النفس بن جائے۔ یہ کتاب مُدرّس اور مؤلف کے لئے مغنی کی بنسبت زیادہ مفید ہے۔[1]

مؤلف کے بارے میں ایسا بصیرت افروز تبصرہ فقہاء میں سے کسی اور فقیہ سے منقول نہیں، اسی طرح علامہ موصوف کی فقیہ زینُ العابدین بن ابراہیم بن نجیم حنفی المتوفی ۹۷۰ھ، محمد امین بن عمر عابدین دمشقی حنفی المتوفی ۱۲۵۲ھ، شاہ عبدُ العزیز مُحدِّث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے متعلق جو رائے ہے وہ بھی پڑھنے کے لائق ہے۔ فرماتے ہیں:-

ان ابنَ نجیم افقهُ عِندی مِنَ الشامی لِما اریٰ فیه انّ امارات التفقه ملوحۃ والشامی معاصرٌ للشاہ عبد العزیز الدھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ وھو افقهُ ایضا عندی مِنَ الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ وکذا شیخ مشائخنا رشید احمد الکنکوھی قدس سرہٗ افقهُ عندی من الشامی[2]

میرے نزدیک بلاشبہ ابن نجیم، علامہ شامی سے زیادہ فقیہ ہیں، کیونکہ مجھے ان میں تفقُّہ کے آثار بہت روشن نظر آتے ہیں۔ فقیہ شامی شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی کے مُعاصر ہیں اور میرے خیال میں شاہ صاحب شامی سے زیادہ فقیہ ہیں اور اسی طرح ہمارے شیخ الشیوخ رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ میرے نزدیک شامی سے بڑھ کر فقیہ ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو نفحۃ العنبر من ھدی شیخ الانور از مولانا محمد یوسف بنوری ص ۸۵

[2] ملاحظہ ہو فیض الباری علی صحیح البخاری مطبع حجازی، قاہرہ ج ۲ ص ۲۰۱ و ج ۱ ص ۱۲۰۔

بعض مشاہیر ائمہ فن کے متعلق رائے

اسی طرح دیگر ائمہ فن اور اکابر علماء کے متعلق بھی ان کی خاص رائیں ہیں۔ چناں چہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی المتوفی ۶۳۸ھ، حافظ ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ، شیخ تقی الدین بن دقیق العید المتوفی ۷۰۲ھ، حافظ ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ، جمال الدین زیلعی المتوفی ۷۶۲ھ اور حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ کے متعلق علامہ موصوف فرماتے ہیں:-

"میرے نزدیک شیخ اکبر رحمہ اللہ تعالیٰ اس امت کی عظیم ترین شخصیتوں سے ہیں وہ حقائق کی تہہ تک پہنچتے ہیں اور اس فن میں وہ سب سے آگے ہیں اور اپنا نظیر نہیں رکھتے ہیں، حافظ ابن تیمیہ بلاشبہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک بحر بیکراں ہے لیکن چند اصولی اور فروعی مسائل میں وہ جمہور امت سے منفرد ہیں، حالانکہ حق پر جمہور علماء ہیں، ابن تیمیہ کشف و کرامات کے بھی منکر ہیں البتہ مصداق کشف کے قائل ہیں اور وہ اس کو فراست مومن سے تعبیر کرتے ہیں..... ان کی طبیعت میں تیزی بہت ہے، وہ اپنی تحقیق کو وحی آسمانی سمجھتے ہیں، اگرچہ وہ حقیقت کے خلاف کیوں نہ ہوں اور مخالف کی وہ پرواہ نہیں کرتے ہیں، اگرچہ وہ حق پر ہی کیوں نہ ہوں، یہ اہل علم کے وہ طبقات و مراتب ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا فرمایا ہے۔ ان میں سے بعض میں بڑا اعتدال ہے اور وہ نہایت انصاف پسند ہیں جیسے شیخ تقی الدین ابن دقیق العید، ابن عبدالبر اور زیلعی، بعض میں اعتدال نہیں ہوتا، ان کی طبیعت میں شدت اور حدت ہوتی ہے جیسے ابن تیمیہ ہیں۔ بعض میں شدت تعصب کے ساتھ بیدار مغزی بلا کی ہوتی ہے جیسے حافظ ابن حجر عسقلانی ہیں[1]۔"

[1] ملاحظہ ہو فیض الباری علی صحیح البخاری مطبعۃ حجازی، قاہرہ ج ۲ ص ۱۶۴

مصطلحات فن پر اضافے

علامہ انور شاہ نے مصطلحات فن پر بھی اضافے کئے ہیں۔ اصول فقہ جو ایک نہایت دقیق اور مشکل فن ہے اور ہمیشہ سے دقیقہ سنج اور دقیق النظر علماء کی بحث و نظر کی آماجگاہ بنا رہا ہے۔ اس اہم فن کی بعض مصطلحات پر علامہ موصوف کو اضافہ کا فخر حاصل رہا ہے۔

ائمہ فن نے متواتر کی تعریف کی ہے اور تواتر اسناد کو بیان کیا ہے لیکن نہ اس کے اقسام سے پورا اعتناء کیا اور نہ انہیں منضبط کیا اور نہ اس کے اقسام کو جداگانہ ناموں سے ممتاز و متعین کیا۔ تواتر کی بحث کلام اور اصول دونوں جگہ ہے لیکن اصولیین اور متکلمین دونوں ہی اس باب میں خاموش ہیں۔ اسلامی دنیا میں علامہ انور شاہ نے پہلی مرتبہ تواتر کے اقسام سے اعتناء کیا اور اس کو اقسام اربعہ میں منحصر کیا۔ اس کی ہر قسم کو ایک ایک خاص اور مستقل نام سے نامزد کیا، تواتر کے وہ اقسام اربعہ حسب ذیل ہیں:-

(۱) تواتر الاسناد (۲) تواتر الطبقہ (۳) تواتر العمل والتوارث
(۴) تواتر القدر المشترک۔

ان اقسام اربعہ کا تذکرہ علامہ موصوف نے اپنے رسالہ نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین (ص ۲۲) میں اور علامہ شبیر احمد عثمانی نے (مقدمہ) فتح الملہم بشرح صحیح مسلم (ص ۵) میں ان کی خوب وضاحت کی ہے اور اردو میں اس کی تشریح فیصلۂ مقدمۂ بہاولپور طبع لاہور ۱۹۳۵ء میں بھی مذکور ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ نے اس تقسیم کی داد ان الفاظ میں دی ہے:-

وهذه الاقسام الاربعة للتواتر وان كانت جزئياتها منتشرة في كتبهم لكنهم لم يكونوا يذكرونها عند التقسيم واول من ربع القسمة

یہ تواتر کی چار قسمیں ہیں۔ اگرچہ اس کی جزئیات اصولیین کی کتابوں میں منتشر طور پر پائی جاتی ہیں لیکن وہ تقسیم کے موقعہ پر ان کا تذکرہ نہیں کرتے تھے۔ سب سے پہلے

وسمّی کلّ قسم باسمہٖ فیما نقلہٗ الشیخ العلامۃ الانور اطال اللہ بقاءہٗ وھو تقسیم حسنٌ۔ [1]

جس اصولی نے تواتر کو چار قسموں میں منقسم کیا اور ہر ایک قسم کو ایک مخصوص نام سے ممتاز و متعین کیا وہ ہمارے علم میں الشیخ علامہ انور شاہ اطال اللہ بقاءہٗ ہیں اور یہ تقسیم بہت خوب ہے۔

علامہ انور شاہ کی اس تقسیم کی خوبی، ندرت اور جامعیت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ ماہرینِ فن نے مصطلحاتِ فنون پر مستقل اور جداگانہ کتابیں لکھی ہیں اور درسی کتابوں کے حواشی سے بھی مفید مفید باتیں سمیٹ لی ہیں اور گوناگوں معلومات جمع کرنے میں خود دادِ تحقیق دی ہے۔ ان کے یہاں بھی تواتر کے اقسام تواتر لفظی و معنوی سے زیادہ نہیں ہیں[2]۔ اسی طرح علامہ موصوف نے حدیث صحیح کی بھی ایک جداگانہ تقسیم کی ہے اور اس کو بھی اقسام اربعہ میں منقسم کیا ہے[3]۔ اسی طرح طبقاتِ کتبِ حدیث میں بھی علامۂ موصوف کی رائے جمہور علماء سے کچھ مختلف ہی ہے۔[4]

اہلِ کمال معاصرین کا خراجِ عقیدت

حقیقت یہ ہے کہ شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے بعد ہندوستان کی سرزمین پر ایسا متقن، وسیع النظر محقق اور جامع عالم پیدا نہیں ہوا۔ اور ہندوستان و پاکستان کے متاخرین محدثین میں ملا محمد عابد سندی المتوفی ۱۲۵۷ھ کے بعد علامہ انور شاہ کے سوا کوئی حافظِ حدیث نہیں گذرا ہے۔

علامہ موصوف بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے تھے اور اس دور میں اللہ تعالیٰ کی زبردست حجت اور برہان تھے، علامہ شبیر احمد عثمانی نے

[1] ملاحظہ ہو (مقدمہ) فتح الملہم بشرح صحیح مسلم، مدینہ برقی پریس بجنور ۱۳۵۲ھ ص ۶۔
[2] ملاحظہ ہو کتاب التعریفات از سید شریف علی جرجانی المتوفی ۸۱۶ھ طبع مصر ۱۳۵۷ھ ص ۱۷۵
[3] ملاحظہ ہو (مقدمہ) فیض الباری ج ۱ ص ۵۸
[4] ایضاً ج ۱ ص ۵۷

فتح الملہم بشرح صحیح مسلم میں ایک موقع پر علامہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

سألتُ الشیخ العلامۃ النقی التقی الذی لم تر العیون مثلہٗ ولم یر ھو مثل نفسہ ولو کان فی سالف الزمان لکان لہٗ شانٌ فی طبقۃ اھل العلم عظیم۔ وھو سیدنا ومولٰنا الانور الکشمیری ثم الدیوبندی اطال اللہ بقاءہٗ عن تفسیر اوائل سورۃ النجم وتحقیق رؤیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ربہ فقرر الشیخ تقریرًا حسنًا بلیغًا جامعًا لاشتات الروایات واطراف الکلام منبھا علی اغوار القراٰن فالتمست منہ ان یقیدہٗ بالکتابۃ لتعم الفائدۃ فاستجاب للملتمس وعلی اللہ اجرہٗ مع وجود الشواغل الکثیرۃ۔ [1]

میں نے خدا ترس، پاک طینت، شیخ العلامہ انور شاہ جن کا مثل ہماری آنکھوں نے نہیں دیکھا، اور نہ خود انہوں نے اپنا مثل دیکھا ہے۔ اگر وہ گذشتہ زمانے میں ہوتے تو اہلِ علم کے طبقہ میں ان کا بڑا مرتبہ ہوتا، وہ ہمارے سردار مولٰنا انور شاہ کشمیری ثم دیوبندی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں تا دیر قائم رکھے۔ میں نے ان سے سورۂ النجم کی ابتدائی آیتوں کی تفسیر اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدارِ الٰہی کی تحقیق کے متعلق درخواست کی تھی جس کو انہوں نے شرفِ قبولیت بخشا اور نہایت نفیس اور فصیح و بلیغ تقریر کی جس میں متفرق روایات اور بحث کے تمام گوشوں کو سمیٹ لیا ہے اور قرآنِ مجید کی گہرائیوں پر تنبیہہ فرمائی ہے۔ پھر میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ اس کو قلمبند فرمائیں تاکہ اس سے فائدہ عام ہو جائے۔ انہوں نے گوناگوں مشغلوں کے باوجود میری یہ بات بھی مان لی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجر دے۔

مفسر عثمانیؒ آیت شریفہ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْـًٔا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی تفسیر میں حیاتِ مسیح

[1] ملاحظہ ہو فتح الملہم شرح صحیح مسلم، ج ۱ ص ۳۲۵

علیہ السلام کے موضوع پر علامہ کے رسالہ کا تعارف کراتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

"اس موضوع (حیاتِ مسیح علیہ السلام) پر مستقل رسالے اور کتابیں شائع ہو چکی ہیں، مگر میں اہلِ علم کو توجہ دلاتا ہوں کہ ہمارے مخدوم علامہ فقیدُ النظیر حضرت مولینا محمد انور شاہ کشمیری اطال اللہ بقائہٗ نے رسالہ "عقیدۃ الاسلام" میں جو علمی لعل وجواہر ودیعت کئے ہیں، ان سے متمتع ہونے کی ہمت کریں، میری نظر میں ایسی جامع کتاب اس موضوع پر نہیں لکھی گئی۔"

اور آیتِ شریفہ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ الآیہ کی تفسیر میں روح پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس (بحث) میں میرے نزدیک قولِ فیصل وہی ہے جو بقیۃُ السلف بحرُ العلوم انور شاہ صاحب اطال اللہ بقائہٗ نے فرمایا"

علامہ شبیر احمد عثمانی نے فیضُ الباری علٰی صحیح البخاری پر جو تقریظ لکھی ہے، اس میں تحریر فرماتے ہیں:۔

قال الشیخ تاج الدین السبکی فی القفال المروزی، کان اماما کبیرا و بحرا عمیقا غواصا علی المعانی الدقیقة، نقی القریحة ثاقب الذهن عظیم المحل کبیر الشان، دقیق النظر عدیم النظیر (فی زمانہ) ام وحکی قول ابن السمعانی فیہ! کان وحید زمانہ فقها و

شیخ تاج الدین سبکیؒ نے قفال مروزی کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ بلند پایہ امام اور علم کے گہرے سمندر، دقیق معانی کے غوطہ زن، پاکیزہ طبع، روشن دماغ، باعظمت بلند مرتبت، دقیقُ النظر اور یگانۂ عصر عالم تھے۔ اور ان کے متعلق ابن السمعانی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ فقہ، حفظ حدیث اور ورع و تقویٰ میں یکتائے روزگار تھے۔ یہ کلمات میں نے اس امام موصوف کے

حفظا وورعا۔ ھٰذہٖ کلمات کنتُ رأیتُھا فی حقّ ذاک الامام و صادفتھا تصدق فی نابغة الھند الشھیر وعالمھا بحر العلوم مولینا السیّد محمد انور شاہ الکشمیری ثمّ الدیوبندی رحمہ اللّٰہ سواء بسواء من غیر شطط والحراء فکان اماما کبیرا او بحرا عمیقا غوّاصا علی المعانی الدّقیقة الی آخر ما قال لم اکن فی عدد اصحابہٖ وتلامذتہٖ غیرَ انّی وفقت للاستفادة مِن صحبتہٖ ومجالسہٖ ومذاکرتہٖ (فی المشکلات والغوامض) برھة غیر قصیرة وَ مَنْ طالعَ کِتابی فتحَ المُلھم علٰی شرح صحیح مُسلم تبیّن لہٗ ذالک[1]

بارے میں پڑھے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی کلمات ہندوستان کے مشہور و معروف عالم بحر العلوم محمد انور شاہ کشمیری ثم دیوبندی رحمہ اللہ پر بھی پورے پورے صادق آتے ہیں اور اس میں ذرا مبالغہ نہیں ہے کیونکہ یہ بھی بلند پایہ امام، علم کے گہرے سمندر تھے، انہیں دقیق معانی تک رسائی حاصل تھی .... میں نہ ان کے تلامذہ میں سے ہوں اور نہ میرا ان کے ہم سبقوں میں شمار ہے، بس مجھے اُن کی صحبتوں اور مجلسوں میں ان کے ساتھ مشکلاتِ فن اور دقیق مسائل میں مذاکرہ سے ایک زمانۂ دراز تک استفادہ کا موقع ملتا رہا ہے۔ جو کوئی میری کتاب فتح الملہم بشرح صحیح مسلم کا مطالعہ کریگا اس پر یہ حقیقت روشن ہو جائے گی۔

مؤرخِ ہند مولینا سید سلیمان ندوی نے علامۂ موصوف کی جن الفاظ میں تصویر کھینچی ہے، وہ بھی ہدیۂ ناظرین ہے، فرماتے ہیں:۔

"مرحوم کم سخن لیکن وسیعُ النظر عالم تھے، ان کی مثال اس سمندر کی سی تھی جس کی اوپر کی سطح ساکن لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گراں قیمت خزانوں سے معمور ہوتی ہے، وہ وُسعتِ نظر، قوتِ حافظہ اور کثرتِ حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے، علومِ حدیث کے حافِظ اور نکتہ شناس، علومِ ادب میں بلند پایہ، معقولات میں ماہر، شعر و سخن سے

[1] مقدمۂ فیضُ الباری ص۴

بہرہ مند اور زہد و تقوٰی میں کامل تھے، اللہ تعالیٰ اپنی نوازشوں کی جنّت میں ان کا مقامِ اعلیٰ کرے کہ مرتے دَم تک علم و معرفت کے اس شہید نے قال اللہ و قال الرّسول کا نعرہ بلند رکھا...... حضرت مرحوم سے ملاقاتوں میں علمی استفادہ کے مواقع ملتے رہے، ہر سوال کے وقت ان کی خندہ پیشانی سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ سوال سے خوش ہوتے، اہلِ کمال کی یہ بڑی پہچان ہے، جب اہلِ کمال سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ شبہ کے اصل منشأ کو سمجھ جاتا ہے اور جواب دے کر خوش ہوتا ہے۔ مرحوم معلومات کے دریا، حافظہ کے بادشاہ اور وُسعتِ علمی کی نادر مثال تھے۔ ان کو زندہ کتب خانہ کہنا بجا ہے، شاید ہی کوئی کتاب مطبوعہ ہو یا قلمی ان کے مطالعہ سے بچی ہو[1]۔"

علّامہ انور شاہ کی جلالتِ علمی اور رفعتِ شان کا اندازہ اس امر سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ حکیمُ الاُمّت مولینا اشرف علی صاحب تھانوی رح جیسا عالمِ ربّانی کسی موقعہ پر کسی علمی مسئلہ کی وضاحت کرتا اور وضاحت کی کہیں علّامہ انور شاہ سے دادِ تحقیق مِل جاتی تو ان کو بڑی مسرّت ہوتی تھی، ایک موقعہ پر حکیمُ الاُمّت مولینا اشرف علی صاحب تھانوی رح نے موصوف کی حق پسندی اور کمالِ علمی و عملی کی دادِ تحقیق یوں دی ہے، فرماتے ہیں :-

"مولینا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریکاتِ حاضرہ میں بہت سرگرم تھے اور میں بالکل علیحدہ تھا۔ لیکن باوجود اس اختلافِ مشرب کے میرے رسالہ ترجیحُ الراجح سے بہت متاثر تھے اور کہتے تھے کہ صدیوں کے بعد یہ بات نظر آئی کہ اپنی لغزشوں سے رجوع کر کے اس کو شائع کیا جاوے۔ یہی ایک بات حق پسندی اور کمالِ علمی و عملی کے لئے کافی ثبوت ہے جس کی اس وقت میں کہیں نظیر نہیں[2]۔"

انسان کا چہرہ اس کے خیالات اور علوم کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ علّامہ انور شاہ کا چہرہ اس حقیقت کا پورا پورا مصداق تھا، چہرۂ انور پہ ایسا نور تھا کہ مسلمان ہی

[1] ملاحظہ ہو یادِ رفتگاں" مطبوعہ کراچی، ص ۱۶۹، ۱۷۰
[2] ملاحظہ ہو الاضافات الیومیہ من الافادات القومیہ، ج ۷، ص ۲۲۷

نہیں کافر بھی اگر نظر اُٹھا کر دیکھ لیتا تو پکار اُٹھتا تھا کہ یہ چہرہ تو کسی بہت ہی بڑے عالِم کا ہے، حکیمُ الاُمّت مولینا اشرف علی تھانوی کا بیان ہے :-

"مولینا (انور شاہ) کسی جلسۂ مناظرہ (بھاگل پور) میں شریک تھے، جس میں اور بڑے بڑے عُلماء موجود تھے، اس جلسہ کا صدر ایک ہندو کو بنایا گیا تھا جو بہت مُعمّر اور تجربہ کار شخص تھا، وہ جس وقت جلسہ میں آیا اس نے سب عُلماء کو دیکھ کر مولینا کے متعلّق کہا کہ ان سب میں یہ بڑے عالِم معلوم ہوتے ہیں۔ واقعی غضب کا قیافہ شناس شخص تھا کہ محض صورت دیکھ کر پہچان گیا کہ یہ سب سے بڑے عالِم ہیں حالانکہ اس وقت تک کسی کی تقریر بھی نہیں سُنی تھی[1]۔"

علّامہ انور شاہ وَرع و تقوٰی کے صفات سے آراستہ اور محاسنِ اعمال اور مکارمِ اخلاق کے پیکر تھے، حق گوئی اور اتّباعِ سُنّت کے بڑے دلدادہ تھے۔ اس کے آثار ان کے چہرے بُشرے پر نمایاں تھے۔ ان کی ذات حقیقت میں نورٌ علیٰ نور تھی۔

اُردو کتابوں کے مُطالعہ کا شوق

علّامہ انور شاہ نے درس و تدریس اور وعظ و تقریر میں طلبہ اور عوام کی سہولت کی وجہ سے اردو زبان کو اظہارِ خیال کا ذریعہ بنا رہا لیکن اُردو زبان میں حقائق و علوم چونکہ منتقل نہیں ہوئے تھے اس لئے موصوف نے اُردو میں لکھی ہوئی کتابوں کا مُطالعہ نہیں کیا اور نہ اس میں تصنیف و تالیف کو پسند کیا، مگر جب اہلِ حق نے اُردو زبان میں تصنیف و تالیف کر کے علوم کو عام کرنا شروع کیا تو موصوف نے بھی اُردو کی کتابوں کا مُطالعہ شروع کیا، اس کا اندازہ حکیمُ الاُمّت مولینا اشرف علی تھانوی رح کے حسبِ ذیل بیان سے کیا جاسکتا ہے، فرماتے ہیں :-

"مولینا انور شاہ صاحب رح نے ایک صاحب سے فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اُردو کی کتابوں میں علوم نہیں ہیں، اس لئے میں کسی اردو تصنیف کو دیکھنا بیکار سمجھتا تھا۔ لیکن جب سے تفسیرِ بیان القرآن دیکھنے کا اتّفاق ہُوا، یہ معلوم ہوا کہ اردو کی

[1] ملاحظہ ہو الاضافاتُ الیومیہ ج، ص ۱۲

تصانیف میں بھی اب علوم موجود ہیں اور اس شفقت سے مجھے اُردو کی کتابیں پڑھنے کا شوق پیدا ہوگیا اور جو بے وُقعتی اُردو کی کتابوں کی میرے خیال میں پہلے تھی وہ جاتی رہی۔ ؎۱

دارالعلوم دیوبند میں درسِ حدیث کی اہم خصوصیت

دارالعلوم دیوبند میں درسِ حدیث کی اہم خصوصیت اور امتیازی شان طلبہ میں حدیث فہمی کا صحیح مذاق اور فقہ حدیث کا ملکۂ راسخہ پیدا کرنا تھا۔ فقہ حدیث نہایت غامض علم ہے، اسی لئے محدثین او فقہاء کے مقابلہ میں فقہاءِ محدثین کی تعداد نہایت قلیل ہے، اس فن کے ماہرین انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے "عجالہ نافعہ" میں مشہور ترین ائمہ فن کو نام بنام گنایا ہے، دارالعلوم دیوبند کے قیام کی اصل غایت اسی علم کی نشر و اشاعت ہے، اس فن میں اکابر دیوبند کا طریقۂ انیقہ نہایت معتدل ہے، درسِ حدیث میں علامہ انور شاہ کے تجدیدی کارناموں پر روشنی ڈالنے سے پہلے اکابر دیوبند کے طریقۂ انیقہ کو سمجھنا ضروری ہے، اس کی وضاحت کے لئے علامہ انور شاہ کی وہ تاریخی تقریر جو موصوف نے ۱۳۳۰ھ میں عالم اسلام کے نہایت نامور فاضل اور وسیع النظر محدث علامہ سید رشید رضا المتوفی ۱۳۵۴ھ کی دارالعلوم دیوبند میں آمد کے موقعہ پر کی تھی، کافی ہے۔ اس اہم تاریخی تقریر کا موضوع فقہِ حدیث اور اکابرِ دیوبند کا طریقۂ انیقہ ہے، علامہ موصوف کی یہ تقریر عربی میں ہے لیکن طویل ہے اس لئے اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے ؎۲۔

"مدرسۂ دیوبند کی غایت و غرض درسِ حدیث اور فقہِ حدیث ہے ......

... ہمارے اکابر کا حدیث اور فقہ میں ایسا معتدل و بہتر طریقہ ہے جس میں افراط و تفریط نہیں ہے۔ میری مُراد اس سے یہ ہے کہ ائمہ اربعہ (امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) اکثر و بیشتر اصولِ اربعہ کی پابندی کرتے ہیں اور وہ اس طرح

؎۱ الاضافات الیومیہ، ج ۷، ص ۱۱۱ ؎۲ متنِ عربی کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ ۵۵۶

ہے کہ امام مالکؒ اہلِ مدینہ کے عمل کی اقتداء کرتے ہیں بلکہ کبھی وہ حدیثِ مرفوع پر بھی اس کو ترجیح دیتے ہیں۔ امام شافعیؒ ہر باب میں اصح حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ امام احمدؒ اصح، صحیح، حسن اور ضعیف حدیث سے بھی جس کا ضعف کمتر درجہ کا ہو استدلال کرتے ہیں اور وہ ان دونوں طریقے (اصح، صحیح و ضعیف) کو درست سمجھتے ہیں۔ موصوف نے اپنی مُسند میں اسی طریقہ کو اختیار کیا ہے اور ابو حنیفہؒ ان قسموں کی تمام حدیثوں کو قابلِ عمل سمجھتے ہیں اور اختلاف کی صورت میں ان کو ایک محل پر جمع کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے حنفیہ کے یہاں تاویلات زیادہ ہیں اور شوافع کے یہاں راویوں پر جرح زیادہ ہے۔ امام شافعیؒ پہلے امام ہیں جو بلا مؤید و عاضد اور شاہد حدیثِ مُرسل کو قابلِ حُجت نہیں سمجھتے ہیں۔ فنِ حدیث کے نکتہ شناس امام بخاریؒ نے امام مالکؒ و شافعیؒ کے اصول کو اپنایا اور اپنا خضرِ راہ بنایا۔ چنانچہ وہ صحیح بخاری میں اصح ما فی الباب کو لاتے ہیں اور عملِ سلف کی مُوافقت کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ اپنی کتاب میں کوئی ایسی حدیث ذکر نہیں کرتے جو دوسری حدیث کے معارض و مخالف ہو، انہوں نے صلوٰۃِ کسوف کے بیان میں دو رکوع والی حدیث پر اکتفا کیا اور اپنے اصول و قواعد کی پابندی کی۔ تین چار اور پانچ رکوع والی حدیثوں کو نظر انداز کر دیا۔

امام مسلمؒ نے راویوں کی ثقاہت پر اعتماد کیا۔ چنانچہ انہوں نے باب الکسوف میں تین چار رکوع والی حدیثوں کو ہی نہیں بلکہ پانچ رکوع والی حدیث کو بھی جو امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے (کوئی مرفوع حدیث نہیں) صحیح مُسلم میں درج کیا ہے۔ امام بخاریؒ نے تحقیق و تنقیح کی ہے اور امام مُسلم نے اصول و قواعد کی رعایت کی ہے۔ ایسی اختلافی صورتوں میں ہمارے مشائخ توسّط و اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں، تشدّد اور تساہل سے گریز کرتے ہیں اور متعارض حدیثوں کی ایسی توجیہہ کرتے ہیں کہ جو غور سے سُنتا ہے قبول کرتا ہے۔

اس کی مثال حدیثِ قلتین ہے، اس کو یزید بن زریع، کامل بن طلحہ، ابراہیم الحجاج، ہدبہ بن خالد، وکیع اور یحییٰ بن حسان نے اِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ اَوْ

مثلاً کتا جب پانی دو تین قلہ (بڑا مٹکا جس میں اڑھائی مشک پانی آتا ہے)
ہو وہ ناپاک نہیں ہوتا۔ لفظ تنویع (اَو) کے ساتھ روایت کیا ہے تو یہ
تخمین و اندازہ کے لئے ہے کہ جب دو تین قلہ پانی ہوگا تو ایک طرف سے
دوسری طرف نجاست کا اثر نہ ہوگا اور امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام
محمدؒ کا یہی اصل مذہب ہے، چنانچہ شیخ ابن ہمامؒ اور شیخ ابن نجیمؒ نے
اس امر کی تصریح کی ہے، حدیثِ قلتین کے محل کے تعین سے جو حدیثیں اس کے
معارض تھیں وہ اپنے حال پر باقی رہیں اور معارضہ سے بچ گئیں۔ جیسے ٹھہرے
ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت والی حدیث اور برتن میں کتے کے
منہ ڈالنے والی حدیث اپنے اپنے محل میں قابلِ عمل ہیں۔ اور اس کی مثال نے کر
امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے والی حدیثیں ہیں۔ حنفیہ نے نماز میں امام کے
پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے پر قرآنی آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور حدیثِ رسول م
وَاِذَا قَرَءَ الْقُرْاٰنَ فَانْصِتُوْا جب امام پڑھے تو تم چپ رہو اور حدیث مَنْ
کَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ قِرَاءَةٌ لَهٗ (جس کا امام ہو تو امام کی قرأت
مقتدی کی قرأت ہے) سے استدلال کیا اور انہوں نے لَا تَقْرَءُوْا اِلَّا بِاُمِّ
الْقُرْاٰنِ (سورۂ فاتحہ کے بغیر اور کچھ نہ پڑھا کرو) والی حدیث کی تاویل کی۔ کیونکہ
جس نے سورۂ فاتحہ نماز میں نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اور یہ اس لئے کیا کہ
آیتِ شریفہ کے شانِ نزول میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔ لہٰذا لفظ کے عموم کا
اعتبار ہوگا (نہ خصوص مورد کا) نیز امام بیہقی نے کتاب القرأت میں امام احمدؒ سے
نقل کیا ہے کہ علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ آیت نماز میں قرأت کے بارے میں
اتری ہے اور حدیث وَاِذَا قَرَءَ فَانْصِتُوْا جب امام پڑھے تو تم چپ رہو
صحیح حدیث ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے شاگرد ابو بکر بن الاثرم نے اس
کی تصحیح کی ہے۔ پھر امام مسلم نے باب التشہد میں حدیث کے ہر دو طریق

ابو موسیٰ اشعریؓ و ابوہریرہؓ کی تصحیح کی ہے اور بعد ازاں ابن خزیمہ، حافظ ابو جعفر
جریر طبری، حافظ ابو عمر بن عبد البر، حافظ ابن حزم اندلسی ظاہری،
حافظ زکی الدین عبد العظیم منذری اور خاتم الحفاظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری
میں اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ یہ تو اسناد کے اعتبار سے اس حدیث کا پایہ
ہے اور باعتبار تعاملِ سلف و ائمہ تو اس پر صحابۂ کرام کی بڑی جماعت امام مالکؒ،
احمد اور ابو حنیفہ کا عمل ہے۔ اور ایسی حدیث جس کے راوی ثقہ ہوں پھر سلف کا
عمل بھی اس کا مؤید ہو تو وہ حدیثِ صحیح ہے، وہ نہ کسی جرح سے متاثر ہوتی
ہے اور نہ کسی قدح سے اثر پذیر۔

اور حدیث مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ کو شیخ
ابن الہمام نے مسند ابن منیع سے نقل کیا ہے اور اس کی تصحیح بھی کی ہے
کیونکہ اس کی سند بخاری و مسلم کی شرط پر ہے۔ اور اب تک اس میں کسی علت
کا سراغ نہیں لگ سکا، اس کی سند یہ ہے:۔

اخبرنا اسحٰق بن یوسف الازرق قال حدثنا سفیان وشریک
عن موسیٰ بن ابی عائشة عن عبد الله بن شداد عن جابر بن عبد الله
قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم الحدیث۔ اور پھر ترمذی کی ایک
موقوف اور حدیث کی دیگر کتب میں ایک مرسل حدیث اس کی مؤید اور معاصد ہے،
اب تو وہ بلاشبہ صحیح ہے۔

ہمارے شیخ الشیوخ مولٰنا رشید احمدؒ نے حدیث عبادہؓ کی جو محمد بن
اسحاق کے طریق سے مروی اور اس کے سیاق لَعَلَّكُمْ تَقْرَءُوْنَ خَلْفَ اِمَامِكُمْ
قَالُوْا نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللهِ نَهُذُّهٗ هَذًّا قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا، الحدیث. شاید تم اپنے
امام کے پیچھے پڑھتے ہو، لوگوں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ ہم جلدی جلدی
پڑھ لیتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا، سورۂ فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھا کرو، کی توجیہ
میں فرمایا ہے یہ اباحت اور جواز کی دلیل تو ہو سکتی ہے، وجوب کی دلیل نہیں،

کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر پڑھتے تھے، اسی بناء پر آپ نے ان سے دریافت فرمایا تھا کہ شاید تم میرے پیچھے پڑھتے ہو، انہوں نے جواب دیا جی ہاں"۔ تو آپؐ نے فرمایا بس سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو، کیونکہ قرآن کی تمام سورتوں میں سورۂ فاتحہ کا نماز کے لئے پڑھنا متعین ہو چکا ہے، کہ امام اور منفرد کی نماز اس کے پڑھے بغیر نہیں ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے جواز کی علت یہ بتائی ہے کہ وہ قرآن کی تمام سورتوں میں نماز کے لئے متعین ہو چکی ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ امام اور منفرد کے حق میں اس سورہ کے پڑھے بغیر نماز کا نہ ہونا ظاہر ہے اور مقتدی کے حق میں اس کا اثر کم سے کم اباحت ہوا۔ حنفیہ کا اس کے واجب ہونے پر اتفاق ہے۔ البتہ اس کی اباحت و کراہت کا مسئلہ احناف میں مختلف فیہ ہے۔

اور ہمارے مشائخ نے مسئلہ رفع یدین اور آمین بالجہر کے مسئلہ میں فرمایا ہے کہ نماز میں رفع یدین کرنا اور باآواز بلند آمین کہنا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے ثابت ہے، اور اسی طرح ترک رفع یدین اور اخفائے آمین بھی صحیح سند سے ثابت ہے۔ چنانچہ سننِ ابی داؤد میں امیرالمومنین عمرؓ اور علیؓ سے ترک رفع یدین اور اسی طرح اخفائے آمین صحابہؓ کی ایک جماعت اور سلفِ صالحین سے ثابت ہے۔ تو ایسی صورت میں ان دونوں باتوں کو سنت ہونا چاہیئے۔ اب بحث صرف ترجیح میں رہ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی آغاز و انجام میں راہِ راست کی توفیق دینے والا ہے عنہ

عنہ فتاوائے ثنائیہ جلد اول مرتبہ محمد داؤد راز ص ۴۷، ۳ میں اخبار "الحدیث" امرتسر مورخہ ۱۱ رمضان ۱۳۶۵ھ کے حوالے سے درج ہے:۔ "مرحوم (یعنی علامہ انور شاہ کشمیریؒ) بھی رفع الیدین کے منسوخ کے قائل نہیں ہیں بلکہ اپنے شاگردوں کو فرمایا کرتے تھے کہ گاہے بگاہے اس پر عمل کرنا چاہیئے، تاکہ قیامت میں یہ سوال نہ ہو کہ اس سنت کو کیوں چھوڑا، اس کے گواہ مولوی عبدالکبیر صاحب۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

پھر مولانا محمد قاسم نانوتوی کی تلمذ سے ہمارے شیخ عدل، حجۃ، مسندِ وقت مولانا محمود الحسن نے علوم کی تکمیل کی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے فیوض سے مستفید فرمائے۔ وہی اس وقت مدرسہ کے صدر مدرس ہیں۔ اس ملک میں ان ہی کی اسناد پر مدار ہے۔ موصوف اپنے مشائخ کے طریقِ حق پر قائم ہیں، حق تعالیٰ نے ان کو روایاتِ متعارضہ میں مطابقت پیدا کرنے اور تعارض کو رفع کرنے اور مشکلاتِ حدیث کو حل کرنے کا ملکۂ خاص عطا فرمایا ہے۔ بطورِ مثال ایک واقعہ پیشِ خدمت ہے، انہوں نے مجھ سے ایک مرتبہ فرمایا کہ کسوف کی نماز میں جو تعدادِ رکوع احادیث میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے، وہ آپ کے ساتھ خاص ہے۔ کسی خاص وجہ سے آپ نے ایسا کیا ہے۔ لیکن امت کو آپ نے ایک ہی رکوع کی ہدایت کی ہے، چنانچہ فرمایا ہے "صلّوا کاحدث صلوٰۃ صلّیتموھا من المکتوبۃ" جو فرض نماز کہ تم عنقریب پڑھ چکے ہو اس جیسی نماز پڑھو، یعنی صبح کی، ایسے ہی کسوف کی نماز پڑھو، میں نے عرض کیا کہ ساداتِ شافعیہ تو اس تشبیہ کو تعددِ رکوع پر محمول کرتے ہیں، وحدتِ رکوع پر نہیں، فرمایا یہ تو بدیہی کو نظری بناتا ہے۔ کیونکہ حضورِ اکرمؐ نے جب سب کی آنکھوں کے سامنے مجمع عام میں کسوف کی نماز متعدد رکوع سے پڑھی اور امت کے لئے تعددِ رکوع ہی کو مشروع کرنا تھا تو پھر آپ سے جو صحابہ نے مشاہدہ کیا تھا اس کا حوالہ کیوں چھوڑ دیا اور صبح کی نماز سے تشبیہ کی طرف میلان فرمایا۔ یہ محض اس لئے کہ آپ نے متعدد رکوع کسی اور عارض کی وجہ سے کئے تھے اور آپ نے امت کو نماز کے مشہور و معروف طریقہ کی

(حاشیہ متعلقہ صفحۂ گذشتہ) کشمیری حال امرتسر ہیں"۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ مولوی عبدالکبیر صاحب حضرت شاہ صاحبؒ کے تلامذہ میں سے تھے، ۱۹۷۵ء میں وفات پا گئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس نصیب کرے۔ مقامی طور بھی چند برگزیدہ حضرات نے ان سے وفات سے پہلے کئی بار اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے مندرجۂ صدر بیان کی تائید فرمائی :۔ کوندو

طرف ہدایت فرمائی۔"[1]

اس تقریر سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ بزرگانِ دیوبند نے جس طرح فقہ حدیث سے خصوصی اعتناء کیا اسی طرح اس فن کے مشکلات کے حل کرنے پر بھی خاص توجہ دی ہے۔ علامہ انور شاہ نے یہ کام بہمہ وجوہ پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

درسِ حدیث میں تجدیدی کارنامہ

علامہ موصوف درس میں کتاب ہی نہیں پڑھاتے بلکہ علوم کا درس دیتے تھے، جس سے طلبہ کے ذہن میں جلاء، نظر میں وسعت اور معلومات میں بیش بہا اضافہ ہوتا تھا اور انہیں اپنی پڑھی ہوئی چیزوں سے کام لینے کا ڈھنگ آتا تھا، اور اس حیثیت سے طلبہ کے لئے یہ درس بڑی افادیت کا حامل تھا اور ان کے معراجِ کمال کے لئے یہ بھی کچھ کم نہ تھا لیکن درسِ حدیث میں علاوہ موصوف کا تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے حدیث کی شرح میں ہر فن کا اجراء کیا اور جس طرح علامہ شرف الدین طیبی شافعی المتوفی ۷۴۳ھ نے احادیث کی شرح میں فقہِ حدیث کے فن کو برتا اور فنِ بلاغت کے اسرار و معارف اور لغت و کلام کے نکات کو سمجھایا اور ان فنوں کو شرح حدیث میں جاری کر کے دکھایا ہے، اسی طرح علامہ انور شاہ نے درسِ حدیث میں تمام متداول علوم و فنون کو حدیث کی شرح میں برتا اور ان کے اجراء کا طریقہ اور سلیقہ سکھایا ہے، اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ مغزِ حدیث تک رسائی کے لئے جملہ علوم میں دستگاہ ضروری ہے۔

اس درس کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ علامہ نے اس میں مشکلاتِ علوم کو حل کیا ہے اور فن کی دقیق باتوں کو سمجھایا ہے، ہندوستان اور پاکستان میں ایسے بہت سے جید علماء گزرے ہیں جن کے حواشی و شروح نے مشکل سے مشکل کتاب کو پانی کر دیا ہے اور ان سے استفادہ آج آسان ہوگیا ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو القاسم ج ۳، شمارہ نمبر ۲ ۱۳۳۰ھ دیوبند، ص ۲۹ - ۳۲۔

لیکن ایسے علماء جنہوں نے کسی خاص فن کے مشکلات کو حل کیا ہے خال خال ہی ہیں، صرف علامہ انور شاہ کے متعلق یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ اسلامی علوم کے مشکلات کو موصوف ہی نے سب سے زیادہ حل کیا ہے، ان وجوہ سے ان کے درس کی تقریروں (امالی) میں جو تنوع پایا جاتا ہے وہ امالی کی علمی دنیا میں اور کہیں نہیں ملتا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، لغت، ادب اور نحو کی متعدد امالی زیورِ طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں اور یہ سب ائمہ فن کی امالی ہیں اور بعض امالی تو ایسے ائمہ فن کی ہیں جن کو ہفت علوم میں اجتہاد کا دعویٰ ہے مگر ان میں سے کسی میں اس نوع کا تنوع اور ہمہ گیری نہیں ہے۔ فقہ کی امالی میں فقہی مسائل ہی سے بحث ہے اور لغت کی امالی کا دائرہ شعر و ادب تک محدود ہے نحو کی امالی کا تعلق نحوی مسائل سے ہے۔ علامہ انور شاہ کی امالی میں ہر فن سے اعتناء ہے اور اس کے مشکلات کو حل کیا گیا ہے اس لئے اس میں تنوع پایا جاتا ہے اور موصوف کو اگرچہ نہایت محنتی اور ذکی تلامذہ ملے جنہوں نے اپنی استعداد کے مطابق ان کے درس کی تقریروں کو بڑی محنت اور جانفشانی سے قلمبند کیا اور ان کے علوم نے علمی دنیا کو متعارف کرایا، جو ان کا ناقابلِ فراموش علمی احسان ہے۔

ضبطِ امالی کے صفاتِ اربعہ

لیکن یہ حقیقت ہے کہ علامہ موصوف کے علوم کو قیدِ تحریر میں لانے کے لئے محض ذکاوت و محنت ہی کافی نہ تھی بلکہ علوم و فنون میں تبحر اور وسعتِ نظر بھی درکار تھی جو ان صفاتِ اربعہ سے آراستہ ہوتا وہی ان کے درس سے پورا پورا استفادہ کرسکتا اور ان کی درس کی تقریروں کو اچھی طرح قیدِ تحریر میں لاسکتا تھا۔ اس موقعہ پر علامہ انور شاہ کے درس کے متعلق بے ساختہ وہ فقرہ زبانِ قلم پر جاری ہوجاتا ہے، ...... جو علامہ محقق کمال الدین ابن ہمام المتوفی ۸۶۱ھ نے علامۃ الدہر شیخ محمد بن محمد المشدالی، المتوفی ۸۶۶ھ کے

درس کے متعلق کہا تھا کہ :-

ھٰذا الرّجلُ لا ینتفعُ بکلامہٖ وَ لا ینبغی ان یحضر درسَہٗ اِلّا حذاق العُلماء۔ [1]	اس مردِ کامل کی باتوں سے ماہرِ فن عُلماء ہی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اور انہی کو اس کے درس میں حاضر ہونا سزاوار اور لائق بھی ہے۔

علّامہ انور شاہ کے تلامذہ کو علوم میں وہ حذاقت و مہارت حاصل نہ تھی جس سے وہ امام عصر کی درسی تقریروں کو اچھی طرح سمجھ سکتے اور قیدِ تحریر میں لاسکتے۔ دورانِ مُطالعہ میں امام عصر کی امالی میں کہیں کہیں جو بعض موٹی موٹی غلطیاں نظر آجاتی ہیں وہ اسی کا نتیجہ ہیں کہ اس اہم کام سے عہدہ برآ ہونا ان کے تلامذہ کے بس کا کام نہ تھا۔ مجھے اس کا اندازہ مولٰینا سیّد مناظر احسن گیلانی کی امالی صحیح مُسلم کے دیکھنے سے ہوا جو انہوں نے مسلم شریف کے سبق میں علّامہ موصوف سے سُن کر قلم بند کی تھیں۔ حالانکہ مولٰینا مناظر احسن گیلانی نے علوم کی تحصیل اس دور کے اربابِ کمال سے کی تھی اور فقہ، منطق، فلسفہ، اصول اور کلام وغیرہ کی چھوٹی کی کتابیں ان اساتذہ سے پڑھی تھیں جن کے درس کی ہندوستان میں بڑی دھوم تھی لیکن انہوں نے جیسی کچھ درسی تقریریں سمجھی اور لکھی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے محنتی اور ذکی طالبِ علم بھی امام عصر کی پوری باتیں سمجھ نہیں پاتے تھے۔ چناںچہ انہوں نے اپنے عجز کا اعتراف امالی صحیح مسلم [2] میں کیا ہے۔ اور جس مقام پر جو بات سمجھ میں نہیں آئی ہے، وہاں نقطے ڈال دئے ہیں، علّامہ موصوف کے علوم کی عظمت ان کے دل و دماغ میں ایسی

---

[1] ملاحظہ ہو البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السّابع از قاضی محمد شوکانی طبع قاہرہ ج ۲ ص ۲۴۸ ؛

[2] امالی صحیح مسلم کا یہ مجموعہ کسی طرح علّامہ شبیر احمد عثمانی رح کے ہاتھ آگیا تھا۔ موصوف نے فتح الملہم بشرح صحیح مسلم میں اس سے استفادہ کیا ہے اور امالی کا حوالہ بھی دیا ہے۔ (فتح الملہم ج ۳ ص ۲۲۳) لیکن نہ معلوم کیوں جامع امالی مولٰینا مناظر احسن گیلانی رح کا نام لینے سے گریز کیا۔ ہمیں مولٰینا محمد یوسف صاحب بنوری زید مجدہم کے توسّط سے یہ مجموعہ علّامہ عثمانی رح کے چھوٹے بھائی فضل احمد عثمانی رح سے دیکھنے کے لئے مِلا تھا۔ گو یہ مجموعہ زیادہ ضخیم نہیں ہے مگر علّامہ انور شاہ کے علوم کا آئینہ دار اور بہت سے علمی فوائد کا حامل ہے ؛

بیٹھی ہوئی تھی کہ یہ امالی ان کو جان سے زیادہ عزیز تھی، اس کے گم ہو جانے کا ان کو ساری عمر افسوس رہا اور وہ اس کی گم شدگی پر بڑی حیرت سے یہ شعر جس کو مجدد الف ثانی رح اپنے مکتوبات میں بکثرت نقل کرتے ہیں، پڑھتے تھے ؎

آنچہ از من گم شُدہ گر از سلیمان گم شُدے
ہم سلیمان ہم پری ہم اہرمن بگریستے

علّامہ انور شاہ کے تلامذہ کا ان کے علوم کو کما حقہٗ، مدوّن نہ کرسکنے پر ہمیں امام شافعی رح کا وہ قول یاد آتا ہے جو انہوں نے امام مالک رح کے معاصر امام لیث رح بن سعد المتوفی ۱۷۵ھ کے متعلق فرمایا تھا، امامِ شافعی رح کا قول یہ ہے :-

اَللّیثُ اَفقَہُ مِن مالکٍ اِلّا اَنَّ اَصْحَابَہٗ ضَیَّعَہٗ۔	"امام لیث امام مالک سے زیادہ فقیہہ تھے لیکن امام لیث کے شاگردوں نے ان کو ضائع کر دیا۔"

حافظ ابن حجر رح نے اس کی تشریح یہ کی ہے :-

"یَعنی لَم یُدَوِّنُوا فِقہَہٗ کَمَا دوّنوا فِقہَ مَالِکٍ وَغَیرِہٖ وَ اِن کَانَ بعضھم قد جَمَعَ منہا شیئًا" [1]	امام شافعی رح کے قول کا مطلب یہ ہے کہ امام لیث کے شاگردوں نے انکی فقہ کو مدوّن نہیں کیا جس طرح امام مالک وغیرہ کی فقہ کو شاگردوں نے مدوّن کیا ہے، گو بعض تلامذہ نے ان کے کچھ مسائلِ فقہیہ کو جمع کیا ہے۔ (لیکن وہ قابلِ ذکر کارنامہ نہیں ہے۔)

یہی صورت علّامہ انور شاہ کے ساتھ پیش آئی، ان کے شاگردوں نے ان کے علوم کو مُدوّن نہ کر کے ان کو ضایع کر دیا، آج ان کی جو امالی ہم کو ملتی ہیں وہ ان کے علوم کا ایک کرشمہ ہیں اور یہ بھی وہ باتیں ہیں جو ان کے شاگردوں نے اپنی فہم و بصیرت کے مُطابق لکھ لی تھیں اور علّامہ نے بھی طلبہ کی استعداد کے

---

[1] ملاحظہ ہو الرحمۃ الغیثیّہ بالترجمۃ اللّیثیّہ فی مناقب سیّدنا الامام اللّیث بن سعد از ابن حجر عسقلانی طبع میریہ بولاق مصر ۱۳۰۱ھ ص ۹ ؛

پیشِ نظر بغیر طلب عام واقفیت کے لئے بیان کردی تھیں۔ اگر سائل محقق ہوتا اور سوالات بھی علمی کرتا تو امالی کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا، جیسے حافظ ابن حجر عسقلانی کو حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی المتوفی سنہ ۹۰۲ھ ملے، کہ جب جی چاہا تقریر ضبط کرانے کے لئے خادم کو بھیجکر بُلا لیا، یا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی طرح انہیں بھی کوئی محمد عاشق پھلتی مل گیا ہوتا، جو باصرار اُن سے ان کے علوم کو مُدوّن کراتا تو علمی دُنیا ان کی امالی کو دیکھ کر دنگ رہ جاتی۔

علّامہ انور شاہ کی امالی کو قیدِ تحریر میں لانے کے لئے موزون ترین شخصیت علّامہ شبیر احمد عُثمانی رح کی تھی، وہ بڑے ذہین، طبّاع اور علومِ معقول و منقول میں حاذق تھے، انہیں افہام و تفہیم کا بڑا اچھا سلیقہ تھا، زورِ بیان اور حُسنِ ترتیب کا بھی مَلکہ تھا۔ عربی تحریر و تقریر پر بھی پُوری قُدرت حاصل تھی۔ علّامہ انور شاہ کو بھی ان کے فہم و فراست پر پورا اعتماد تھا اور یہ بھی علّامہ موصوف کی جامعیت، ژرف نگاہی اور وُسعت معلومات کے قائل اور قدر دان تھے، اسی لئے فتح الملہم بشرح صحیح المسلم میں جگہ جگہ ائمہ فن اور کبارِ علماء کے اقوال کے ساتھ علّامہ انور شاہ کے اقوال کو بھی زیبِ قرطاس کیا ہے۔

علّامہ شبیر احمد عثمانی رح نے صحیح مُسلم کی شرح میں بڑی محنت کی، اپنی پوری جوانی اس میں لگادی تھی پھر بھی وہ پوری نہ ہوسکی، قرآنِ مجید پر اردو میں حواشی اور تفسیر ان کا بڑا کارنامہ ہے جس کے لئے آیندہ نسلیں ان کی ممنون ہوں گی۔ لیکن ان کے مرتبہ کا کام یہ تھا کہ وہ حُجۃ الاسلام مولینا محمد قاسم نانوتوی رح کی کِتابوں کے مضامین اپنی زبان میں بیان کرجاتے تو عوام و خواص دونوں ان سے استفادہ کرسکتے، یا علّامہ انور شاہ کشمیری رح کی صحاحِ ستّہ پر امالی (درسی تقریروں) کو قیدِ تحریر میں لاتے تو یہ علمی دنیا پر ان کا بہت بڑا احسان ہوتا اور ان کی بقا کے لئے اور کسی چیز کی ضرورت نہ ہوتی لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے یہ کام نہیں کیا، ان کے مقابلہ میں حضرت انور شاہ رح نے

اپنی فطری صلاحیتوں سے وُہی کام لیا جو ان کے دِل و دماغ کا اچھے سے اچھا مصرف ہوسکتا تھا، ان کی اس دماغی فوقیت کا راز یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوتوں سے وہ کام لیا جو ان کے ہم عصروں کی دسترس سے باہر تھا۔ علوم قرآن و حدیث، فقہ، اصول، کلام اور فلسفہ سے متعلق اپنی تالیفات اور امالی میں جس قدر مواد یکجا کردیا ہے، وہ علوم کا گویا نچوڑ ہے۔ تاہم علّامہ انور شاہ کے بعض تلامذہ نے ان کے علوم کو جس قدر اور جس صورت میں بھی مُرتّب و مُدوّن کردیا ہے، وہ بھی اہلِ علم کے لئے بڑا کار آمد اور قیمتی سرمایہ ہے اور آج علّامہ موصوف کے گونا گوں علوم میں تبحّر کے معلوم کرنے کا واحد ذریعہ یہی امالی ہیں گویا ایک ہوشمند عالم کو مختلف موضوع پر ان کے مختصر رسالوں کے مطالعہ سے ان کی جامعیت، جلالتِ شان اور ہر فن میں مجتہدانہ بصیرت کا بخوبی علم ہو جاتا ہے لیکن جو تنوّع ان کی امالی میں ہے وہ تالیفات میں نہیں، کیونکہ ان کے موضوع خاص ہیں، جن کی بحث کے گوشے بھی مخصوص اور محدود ہوتے ہیں اس کے برعکس درس کے حدود نہایت وسیع ہیں۔ اس میں بہت سے مسائل زیرِ بحث آجاتے ہیں۔

علّامہ انور شاہ کی امالی اگرچہ پوری صحاحِ ستّہ پر ہیں لیکن "العرف الشذی علی جامع الترمذی" "فیض الباری علی صحیح البخاری" اور "معارف السّنن" جس میں علّامہ موصوف نے مشکلاتِ علوم کی توضیح و تشریح کی ہے۔ امالی علی صحیح مُسلم، امالی علی سنن ابی داؤد اور امالی علی سنن ابن ماجہ زیادہ اہم ہیں۔ اوّل الذکر تین کتابیں اپنی نوعیت کے اعتبار سے ہندوستان کی سرزمین پر پہلی اور آخری ہیں۔ ہند و پاک میں علوم سے معمور ایسی مفید اور جامع کتابیں کبھی نہیں لکھی گئیں۔ میں جب ان امالی کو دیکھتا ہوں تو اُستاد اور شاگرد دونوں کو دُعائیں دیتا ہوں۔

ان امالی میں علّامہ انور شاہ رح نے اس زمانہ میں حنفی مذہب کو حدیث کی بنیاد پر جس طرح مُستحکم کیا ہے وہ حقیقت میں ان کا بڑا کارنامہ ہے۔ اکثر

مواقع پر علامہ موصوف کی دقتِ نظر اور علوم و فنون میں حذاقت ان کو متقدمین کی صف میں بھی ممتاز و نمایاں کر دیتی ہے، "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ"۔ پھر کمال یہ ہے کہ ان کی تنقید کے الفاظ میں ایسی احتیاط ہے کہ ادب کا پہلو کہیں ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ موصوف بایں ہمہ علم و فضل، اخلاق و تقویٰ کے کیسے بلند مقام پر فائز تھے۔

اکابرِ دیوبند کے کمالات کے جانچنے کا معیار

اکابرِ دیوبند میں محقق عارف باللہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، امام سنت مولینا رشید احمد گنگوہی، حجۃ الاسلام مولینا محمد قاسم نانوتوی اور مولینا محمد یعقوب نانوتوی قدس اللہ اسرارہم کے علمی و عملی کمالات کے جانچنے کا جو صحیح ترین معیار ہے، بحمد اللہ اس معیار پر علامہ انور شاہ کشمیریؒ پورے اترتے ہیں، یہ حقیقت پسندانہ معیار بھی حکیم الامت مولینا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بتا دیا ہے، فرماتے ہیں:-

"لوگ کہتے ہیں کہ رازی اور غزالی پیدا ہونا بند ہو گئے، مگر بالکل غلط ہے، ہمارے حضرات رازی اور غزالی سے کم نہ تھے، علوم میں بھی کمال میں بھی، بات یہ ہے کہ حیات میں قدر نہیں ہوتی، مرجانے کے بعد رحمۃ اللہ علیہ اور پچاس برس گذر جانے کے بعد قدس سرہٗ ہو جاتے ہیں اور تماثل کے معلوم ہونے کا بڑا اچھا معیار ہے۔ ان کی تحقیقات کو بھی دیکھ لیا جائے اور ان حضرات کی بھی، اس سے معلوم ہو جائے گا۔"[۱]

عارف تھانویؒ حسن العزیز میں فرماتے ہیں:-

"ان حضرات کی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کرا دیا جائے اور بتلایا نہ جائے تو دیکھنے والے رازی غزالی کے زمانہ کی بتلا دیں گے۔"[۲]

---

[۱] ملاحظہ ہو الاضافات الیومیہ من الافاضات القومیہ طبع کراچی ج ۲ ص ۲۹۹ و ۳۰۰۔
[۲] ملاحظہ ہو حسن العزیز (ملفوظات حکیم الامت مولینا اشرف علی تھانوی) شائع کردہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون بھارت ج ۲ ص ۳۸۴۔

جس کو اس امر میں تامل ہو وہ علامہ موصوف کی تصانیف کا موازنہ قدماء کی تصانیف سے کر کے دیکھ لے، حقیقت آشکارا ہو جائے گی، مثلاً تکفیر کے موضوع پر جن ائمہ فن نے قلم اٹھایا ان میں حجۃ الاسلام امام غزالی، ابن حزم، ابن تیمیہ اور ابن قیم وغیرہ کا نام سرفہرست ہے لیکن جیسی جامعیت استیعاب مباحث اور تنقیح مناط علامہ انور شاہ کے رسالہ "اکفار الملحدین فی ضروریات الدین" (مجلس علمی ڈابھیل، سورت) میں ہے، ان ائمہ کے یہاں نہیں، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارا دعویٰ کس حد تک صداقت پر مبنی ہے۔

علامہ موصوف نے اپنی خداداد فہم و فراست اور ذکاوت و بصیرت سے اپنے رسائل اور امالی میں مشکلات علوم کو جس طرح حل کیا ہے، ان کو بلحاظ جامعیت، وسعتِ نظر، عالمانہ تدقیق اور کمالِ فن بڑے بڑے اہلِ کمال ائمہ کی تحقیقات کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس کی توضیح سے یہ مضمون کتاب بن جائیگا اس لئے ہم اس کی چند مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔

کتاب الایمان کی معرکۃ الآراء بحث "الایمان یزید و ینقص" میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی المتوفی ۶۳۸ھ، شیخ عبدالوہاب شعرانی المتوفی ۹۷۳ھ اور علامہ ابو محمد علی بن حزم المتوفی ۴۵۶ھ کا قول پیش کرنے کے بعد علامہ انور شاہ کا قول نقل کیا ہے۔[۱]

اس مسئلہ پر کہ کفار بھی معاملات میں مخاطب ہیں، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم میں حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ اور علامہ بدر الدین عینی کا کلام نقل کرنے کے بعد حافظ انور شاہؒ کا فیصلہ نقل کیا ہے۔[۲]

نزول عیسیٰ کی بحث میں علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم میں علامہ انور شاہ کی پرمغز بحث کو پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ اسی طرح معراج کے باب میں آیتِ شریفہ "وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى" کی توضیح و تشریح اور آں حضرت صلی اللہ

---

[۱] ملاحظہ ہو فتح الملہم بشرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۵۹۔ [۲] فتح الملہم بشرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۸۰۔

علیہ وآلہٖ وسلم کے دیدارِ الٰہی کی بحث میں علامہ عثمانی نے صرف علامہ انور شاہؒ کے کلام کو نقل کیا ہے اور کسی محقق کے کلام کو پیش کرنے کی حاجت نہیں سمجھی ہے۔

حدیث شریف نوشُ اَمتی اماہ کی تشریح میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم میں مشہور شارحِ بخاری شیخ ابو عبد اللہ محمد بن علی مارزی مالکی المتوفی ۵۳۶ھ کا قول نقل کرنے کے بعد علامہ انور شاہ کا قول پیش کیا ہے، پھر یہ لکھا ہے
ولا یخفیٰ ما فیہ من اللطافۃ۔

اسی طرح مسح رُبع رأس (چوتھائی سر کے مسح کی فرضیت) کی بحث میں علامہ عثمانیؒ نے فقیہ ابو الولید محمد بن رشید مالکی المتوفی ۵۹۵ھ اور محقق کمال الدین ابن ہمام المتوفی ۸۶۱ھ وغیرہ کی بحث کے بعد علامہ انور شاہ کا نقطۂ نظر پیش کیا ہے[1]۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے وضو میں سات مرتبہ پاؤں دھونے کے متعلق حافظ ابو زکریا محی الدین نووی المتوفی ۶۷۶ھ کا کلام نقل کرنے کے بعد علامہ عثمانیؒ نے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی توجیہہ پیش کی ہے اور علامہ انور شاہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جو مستدل پیش کیا ہے، وہ نقل کیا ہے، یہ مستدل ان دونوں حفاظِ حدیث کی نظر میں نہیں ہے۔ علامہ موصوف کی تحقیقات کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ حق تعالیٰ کا فیضان آج بھی اس اُمت پر ویسا ہی جاری و ساری ہے جیسا کہ پہلے تھا، مُلا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ نے حدیث ان اللہ یبعث علیٰ راس کل مائۃ من یجدد لہا دینہا پر بحث کرتے ہوئے جو یہ لکھا ہے:۔

ان ھذا التجدید امرٌ اضافی لانّ العلم کل السنۃ فی التنزل کما ان الجھل کل عام فی الترقی وانما تحصل ترقی علماء زماننا بسبب تنزّل

یہ تجدید ایک امر اضافی ہے کیونکہ علم سال بسال گھٹتا جا رہا ہے اور جہل بڑھتا جا رہا ہے۔ ہمارے دَور کے علماء کی ترقی ہمارے علم کے تنزّل کے سبب سے ہے ورنہ متقدمین

[1] ملاحظہ ہو فتح الملہم بشرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۹۰ -

العلم فی او انناو الّا فلا مُناسبۃ بین المتقدمین و المتأخرین علماً وعملاً وحلماً وفضلاً وتحقیقاً و تدقیقاً۔[1]

اور متاخرین علماء میں علم و عمل، حلم و فضل اور تحقیق و تدقیق کے اعتبار سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔

یہ کوئی حکمِ کُلّی نہیں ہے متاخرین علماء میں جو ارباب کمال اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ان میں علامہ انور شاہ بھی داخل ہیں۔ سچ ہے:۔

ہنوز آں ابرِ رحمت درخشان است
خم و خم خانہ با مُہر و نشان است
نقصان زقابل است و گرنہ علی الدوام
فیضِ سعادتش ہمہ کس را برابر است

موصوف کی علامہ انور شاہ کے الفاظ سے شہرت کی وجہ

علامہ انور شاہ کشمیریؒ اکثر ایسی اونچی بات کہتے ہیں جس کو بغیر تمہید و ترتیب مقدمات طلبہ کو سمجھانا مشکل ہوتا ہے، اس امر کا صحیح اندازہ ایک مُدرس مزاج انسان ہی کر سکتا ہے جس طرح علمی دنیا میں دِقتِ نظر، علومِ عقلیہ میں مہارت اور جلالتِ علمی کی وجہ سے علی بن محمد جرجانی المتوفی ۸۱۶ھ کو علامہ سیّد شریف جرجانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اسی طرح محمد انور شاہ کو اہلِ علم کے طبقہ میں علامہ محمد انور شاہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

جن اہلِ علم نے اس خوانِ علم کی زلّہ رُبائی کی وہ آسمانِ علم کے درخشاں ستارے بنے اور اس عہد کے اکابر علماء میں ان کا شمار ہوا۔ ان میں جو وسعت نظر پیدا ہوئی وہ علامہ انور شاہ کے حلقۂ درس کا فیضان ہے، ایسے ہی نامور تلامذہ کو مولانا سید سلیمان ندوی نے دائرۂ علم سے تعبیر کیا ہے، "یادِ رفتگان"

[1] ملاحظہ ہو مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح از مُلا علی قاری مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۰۹ھ ج ۱ ص ۲۴۸۔

میں لکھتے ہیں :-

"بعض مشاہیر کے نام جو مجھے معلوم ہیں وہ یادگار کے طور پر سپردِ قلم کرتا ہوں، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا ابوالمآثر محمد حبیب الرحمن اعظمی مئو، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی، مولانا محمد یوسف صاحب بنوری، ان میں سے ہر ایک بجائے خود دائرۂ علم ہے" ؎۱

مشکل پسندی اور مختصر نگاری

حقیقتاً و صداقت، عقیدت و محبت سے بلند ہے اس لئے علامہ انور شاہ کے ساتھ اس کا بھی اعتراف ہے کہ ان کی طبیعت میں مشکل پسندی اور مختصر نگاری تھی اس لئے ان کی تحریر و تقریر کو عوام کیا خواص کے لئے بھی سمجھنا مشکل ہے، ان کی تقریر کے متعلق حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے، فرماتے ہیں :-

"وہاں (شملہ) کے بعض معززین تعلیم یافتہ صاحبوں نے مولانا انور شاہ صاحب سے جو کہ اس سفر میں تھے اعجاز القرآن پر بیان کرنے کی فرمائش کی چنانچہ بیان کیا گیا۔ مضمون غامض تھا، وہ لوگ بھی نہیں سمجھے۔ پھر ان پر اعتراض کیا گیا کہ ایسے بیان سے کیا نفع جو سمجھ میں ہی نہیں آیا، یہ بیان تو مدرسہ دیوبند میں بیٹھ کر کرنا تھا، اس کا جواب بھی وعظ میں میں نے ہی دیا کہ شاہ صاحب نے جو ایسا بیان کیا ہے وہ اضطراراً نہیں کہ سہل بیان پر قادر نہیں بلکہ ایک مصلحت سے قصداً بیان کیا ہے اور مصلحت یہ ہے کہ آج کل مدعیانِ علم بہت زیادہ پیدا ہو گئے ہیں، اور اجتہاد کا دروازہ کھل گیا ہے حتیٰ کہ انگریزی پڑھ پڑھ کر قرآن و حدیث کا اردو ترجمہ دیکھ کر علوم میں دخل دینے لگے ہیں، تو شاہ صاحبؒ نے دکھلا دیا

؎۱ ملاحظہ ہو "یادِ رفتگاں" طبع کراچی، ۱۹۵۵ء ص ۵۲م

کہ تم اہلِ علم کے کلام کو بھی نہیں سمجھ سکتے، چہ جائیکہ قرآن و حدیث میں اجتہاد کر سکو۔

بتلایئے اس بیان سے یہ نفع تھوڑا ہوا کہ تم کو اپنے جہل پر اطلاع ہو گئی، سب شرمندہ ہو گئے، مجھ کو جاہلوں کا علماء پر اعتراض کرنا بھی ناگوار ہوتا ہے، اس لئے بھی یہ جواب دیا گیا" ؎۱

اسی مشکل پسندی اور مختصر نگاری کی بناء پر ان کے قلم سے جو دو چار رسالے نکل گئے ہیں ان کو بڑے سے بڑا محقق بار بار مطالعہ کئے بغیر پوری طرح نہیں سمجھ سکتا، چنانچہ فاتحہ خلف الامام جیسے پامال موضوع پر جب قلم اٹھایا تو ایسا رسالہ لکھا کہ اہلِ علم کو اشتہار میں یہ لکھنا پڑا کہ بڑے بڑے علماء اس کو مشکل سے سمجھ سکتے ہیں، اس لئے معمولی استعداد کے لوگ اس کو طلب کرنے کی زحمت نہ کریں۔

یہ عجیب و غریب اشتہار مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی نے کلیات شیخ الہندؒ کے سرورق کی پشت پر دیا تھا کہ:

فصل الخطاب، فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں محدثانہ تحقیقات اور عالمانہ مضامین کا فی الحقیقت بے مثل رسالہ جو اکابر محدثین کی تصنیفات کا سچا نمونہ ہے، دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس حضرت مولانا انور شاہ صاحب نے عربی زبان میں بکمال انصاف تحریر فرمایا ہے، بڑے بڑے علماء بھی مشکل سے سمجھ سکتے ہیں، کم استعداد مولوی طلب نہ فرماویں" ؎۲

علامہ انور شاہؒ میں اگر تصنیف و تالیف کا اچھا سلیقہ ہوتا، اور ان میں مشکل پسندی، ایجاز اور مختصر نگاری نہ ہوتی اور ان کو اپنے معاصر

؎۱ ملاحظہ ہو الافادات الیومیہ من الافاضات القومیہ ج ۶ ص ۱۶۶

؎۲ ملاحظہ ہو کلیاتِ شیخ الہند مطبع قاسمی دیوبند ۱۳۲۰ھ

مُحدّث نافِد شیخ محمد زاہد کوثری کا پیرایۂ بیان اور ترتیب و تہذیب ملی ہوتی؟ اور یہ کام ان کے ہاتھوں انجام پاتا، تو دنیا میں صحاحِ ستّہ کے سمجھنے کے لئے کسی اور کتاب کی حاجت نہ رہ جاتی، اور کسی کو اس پر قلم اُٹھانے کی گنجایش باقی نہ رہتی۔ مگر ان سب بے نفسوں کو اخفائے حال میں اتنا اہتمام تھا کہ نہ چاہتے ہی نہ تھے کہ دُنیا میں ان کو عالم کی حیثیت سے پہچانا جائے، بزرگوں کے جبر نے تدریس پر بھی آمادہ کیا، ورنہ اُن کو یہ بھی گوارا نہ تھا۔

يهدى الله لنوره من يشاء ط ويضرب الله الأمثال للناس ط (القرآن)

یہ جہاں فانی ہے کوئی بھی شئے لافانی نہیں　　پھر بھی اس دنیا میں انور شاہ کا ثانی نہیں

تقدُّسِ انور

امام العصر، محدث کبیر، بخاریٔ وقت، ابوحنیفہؒ زمانہ
حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ
کی زندگی جاودار، حیات پُر الطاف، علوم وکمالات کا آئینہ

از

عبدالرحمٰن کوندو

تقدیم وتعارف

شیخ الحدیث والتفسیر مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب دامت برکاتہم
رئیس جامعہ عربیہ احسن العلوم

شائع کردہ

شعبہ نشر واشاعت جامعہ عربیہ احسن العلوم
گلشن اقبال بلاک 2 کراچی
فون نمبر: ۴۸۱۸۲۱۰_۴۹۶۸۳۵۶